اسلام اور دعوت فکر

(۲)

عبد الرحمان شاہ ولی

عقیدہ اور فکر

اسلام ابدی حقائق اور فطرت کے غیر متبدل اصولوں کا علم و یقین حاصل کرنے کے لئے انسان کو فکر و نظر کی دعوت دیتا ھے اور اسلامی تعلیمات پر ایمان و اعتقاد اس مخلصانہ فکر و نظر کا لازمی نتیجہ ھے۔ مثلاً وحدانیت یا دیگر صفات خداوندی پر ایمان کی دعوت وہ از راہ فکر و استدلال دیتا ھے۔ تقلید یا وھم و گمان کے اتباع کی ترغیب اس میں ھرگز نہیں۔ قرآن کا اس بارے میں ارشاد ھے: فاعلم انہ لا الہ الا اللہ ''پس جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اعتقاد ربوبیت کی دعوت یوں دیتا ھے'' فاعلموا ان اللہ مولی کم،، پس جان لو کہ اللہ تمھارا کارساز ھے۔ اس قسم کی آیات کے مفہوم پر غور کرنے سے یہ بات عیاں ھوتی ھے کہ قرآن کا مطالبہ توحید اور ربوبیت کے علم کا ھے۔ نہ کہ بلا سند اور بے علم اقرار و تسلیم کا]، ورنہ قرآن بجائے '' فاعلم ،، کے ''فاعتقد،، یا کوئی اور تعبیر اختیار کرتا۔ پھر قرآن صرف دعوت علم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ انسان کو اس علم و یقین کے حاصل کرنے کا راستہ بھی دکھاتا ھے۔ اور یہ راستہ کھلے دل و دماغ کے ساتھ فکر و نظر ھے: ''لوکان فیھما آلھۃ الا اللہ لفسدتا،، (۲۲ الانبیاء) اگر زمین و آسمان میں متعدد خدا ھوتے تو ان کا نظام درھم برھم ھوجاتا۔ یعنی مخلوقات کا ایک دوسرے سے ارتباط اور ان کا ایک دوسرے کی طرف احتیاج ایک ایسے عجیب و پر از حکمت دقیق نظام کی نشاندھی کرتا ھے جس کا خالق اور مدبر صرف ایک ھی حکیم مطلق ھو سکتا ھے۔ یہ اعلی ترین نظام اگر کسی بخت اور اتفاق کا

نتیجہ نہیں تو یہ متعدد خالقین کی کار کردگی کا ثمرہ بھی نہیں بلکہ یہ صرف ایک حکیم و خبیر کی حکمت ازلی کا کرشمہ ہے جس سے ہر صاحب بصیرت آگاہ ہے اور اسی کی طرف قرآن انسان کو متوجہ کرتا ہے تاکہ وہ علم توحید سے بہرہ‌ور ہو۔

جدید انکشافات کی رو سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زمین چاند اور سورج ایک دوسرے سے ایک خاص فاصلہ پر ہیں اگر اس فاصلے میں ذرا بھی فرق آجائے تو زمین کا نظام درھم برھم ہوجائے۔ مثلاً اگر زمین اور سورج ایک دوسرے سے قدرے دور ہوجائیں تو زمین پر تمام زندہ چیزیں منجمد ہوکر مرجائیں اور اگر یہ ایک دوسرے کے ذرا بھی قریب ہو جائیں تو تمام زندہ اشیاء جل جائیں اور زمین پر زندگی کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے۔ اسی طرح اگر چاند زمین سے قدرے دور یا قریب ہوجائے تو تمام خشکی زیر آب آجائے گی(۱) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس منظم اور مرتبط عالم کا خالق ایک ہی ہو سکتا ہے۔ سائنس کی اس قسم کی معلومات آیت بالا کے مفہوم کی وضاحت میں مدد دیتی ہیں اور قرآن کریم اپنی متعدد آیات میں جس دقیق اور حکیمانہ نظام کائنات کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے جدید ترین علمی انکشافات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے : لا الشمس ینبغی لها ان تدرک القمر ولا اللیل سابق النهار و کل فی فلک یسبحون،، نہ سورج چاند کو پاسکتا ہے اور نہ رات دن پر سبقت لے جا سکتی ہے اور ہر ایک اپنے دائرہ میں چل رہاہے۔ سورج کی رفتار کا یہ انکشاف قرآن کریم نے سائنسدانوں سے ایک هزار سال سے بھی زیادہ پہلے کیا ہے(۲) اور انسان کو اس محکم نظام کی طرف متوجہ کرتے ہوئے وحدانیت اور حکمت الٰہی پر قوی برہان پیش کیا ہے جس سے اسلام میں عقیدہ و فکر کے باھمی تعلق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

---

(۱) الله والعلم الحدیث تالیف عبدالرزاق نوفل ص ۲۹

(۲) مصدر سابق ص ۱۷۰

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لئے یہ دل و دماغ کو بیک وقت مخاطب کرتا ہے اور دونوں کے لئے مناسب غذا مہیا کرتا ہے اور تمام ادیان حقہ کا یہی اسلوب تھا۔ عیسائیت جب اپنی صحیح شکل سے دور ہوگئی اور اس میں سماوی خصائص باقی نہ رہے تو اس مذہب کے رہبروں نے عقل و فہم سے دوری کو اس مذہب کی سچائی کا نشان بتانا شروع کردیا اور دینی عقائد کو فکر سے علاحدہ کرنے کی کوشش کی۔ ایک عیسائی دانشور ولی انسلم کہتا ہے کہ میں پہلے عقیدہ رکھتا ہوں اور پھر سمجھتا ہوں پہلے سمجھ کر عقیدہ اختیار نہیں کرتا(١) اس قسم کے بہت سے اقوال جدید عیسائیت کے رہبروں کی طرف منسوب ہیں۔ ایک طرف ان کا یہ جمود عقلی اور دوسری طرف انسانی معارف کو دینی حقائق کے ساتھ خلط ملط کرنا یورپ میں دین و عقل کی کشمکش کا باعث ہوا۔ چنانچہ مغرب کی جدید عقلیت اور نئے انکشافات کے حامل سائنسدانوں نے دین و تقلید کی زنجیروں کو توڑ کر کتب مقدسہ میں انسانی نظریات کو جو کہ قدیم عقل کا ثمرہ تھے ماننے سے انکار کردیا، جس پر دینی حلقوں کی طرف سے ان کے خلاف کفر و الحاد کے فتوے صادر کئے گئے، بلکہ ان کے خون کو بھی حلال سمجھا گیا۔ چنانچہ دینی رہنماؤں نے اس باغی طبقہ کو سزا دینے کے لئے محکمے قائم کئے اور اس کشت و خون سے متاثر ہوکر ایک مسیحی عالم نے کہا کہ کسی نصرانی عالم کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی طبعی موت مرے۔ ان محکموں نے تین لاکھ افراد پر مقدمے چلائے جن میں سے بتیس ہزار (٣٢٠٠٠) افراد زندہ جلائے گئے۔ اور ان میں ''برونو'' اور ''گلیلیو'' جیسے لوگ شامل تھے(٢) لیکن اسلام میں نہ تو اس قسم کے جمود فکر کی گنجائش ہے اور نہ دینی حقائق کے ساتھ انسانی معارف خلط ملط کئے گئے ہیں کہ جدید عقلیت اس سے بدظن ہو سکے

---

(١) روایات فلسفہ ص ١٤٠ تالیف علی عباس جلال پوری

(٢) المستقبل لهذا الدین ص ٦٣ تالیف سید قطب

کیونکہ انسانی علوم کتنے ہی دقیق کیوں نہ ہوں وہ ہمیشہ کے لئے تغیر پذیر ہیں ،لیکن دینی معارف وہ غیر متبدل اصول اور دائمی غیر متغیر حقائق ہیں جن سے ہر زمانہ میں ہدایت اور رہنمائی کا کام لیا جا سکتا ہے، جن کا سلیم طبیعت اور سنجیدہ عقل کے ساتھ کوئی ٹکراؤ نہیں بلکہ یہ اس کے مؤید ہیں ۔

بعض مسلم دانشوروں نے جو کوشش دین و فلسفہ کے توافق کی خاطر کی اس کا مقابلہ اگر شدت سے دیگر مکاتب فکر اسلامی کی طرف سے نہ ہوتا تو اس کا نتیجہ بھی یقیناً ارسطو کے کچھ نظریات کو اسلامی معارف میں شامل کرنا ہوتا اور پھر اس کا ردعمل بھی وہی ہوتا جو کہ یورپ میں عیسائیت کے خلاف ہوا۔ لیکن مخالفین کی قوت برہانی کی وجہ سے فارابی، ابن سینا اور ابن رشد وغیرہ کی کوششیں اس سلسلہ میں ایک حد تک ناکارہ ثابت ہوئیں ۔ اس میدان میں غزالی اور ابن تیمیہ کے مکتب فکر کی خدمات ایک حد تک کافی اہمیت رکھتی ہیں ۔ اس کے برعکس بعض متصوفین اور نام نہاد فقہاء نے ایسا رویہ اختیار کیا جو کہ اسلام سے رواداری اور تعقل اور فکر کی اہمیت کو ختم کرنے کی جدوجہد سے زیادہ قریب تھا۔ لیکن متکلمین اور خاص کر معتزلہ نے اس قسم کی کوششوں کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ البتہ اعتزال کی تحریک خود تشدد اور انتہا پسندی کی شکار ہوئی۔ انھوں نے اعتزال کو مامون الرشید (۸۱۳ - ۸۳۳) کے دور حکومت میں مخالفین پر زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی۔ امام احمد ابن حنبل اور دیگر مخالفین کو ان کی مخالفت کی پاداش میں سزائیں دینا اس تشدد کی کھلی نشاندھی کرتا ہے اور اس لئے ان کے اس تشدد کا ردعمل بھی ان کی گرفت کی طرح سخت تھا جو کہ متوکل (۸۴۷ - ۸۶۱) کے دور حکومت میں رونما ہوا۔ تاہم داعیان جمود نے تاریخ اسلام کے ہر دور میں اپنا کام جاری رکھا اور اس کے بالمقابل وہ فریق جس کے دل میں دینی اقدار کی کوئی خاص اہمیت نہیں اس نے اپنے ضعف ایمان کی

وجه سے دینی عمارت کو عقلی علوم اور زمانه کے انسانی معارف کی نا پخته اور متبدل بنیادوں پر کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن ان دو فریقوں کے درمیان معتدل مزاج پخته ایمان اور متوازن عقل رکھنے والوں کا ایک گروہ بھی همیشه موجود رها جس نے نه تو اسلام میں جمود اور تنگ نظری کو آنے دیا اور نه اپنے عصر کے عقلی معارف کو دینی حقائق کے ساتھ خلط ملط ہونے دیا۔ اس لئے یه دین بلا لحاظ زمان و مکان انسانی مسائل کا حل جس طرح پہلے تھا اب بھی ہے۔ یه دین آج بھی اسی طرح بشریت کا نجات دهنده ہے اور اس میں عقل و روح دونوں کے لئے غذا اور شفا موجود ہے۔

عقیده اور زندگی

شک اور وهم یقیناً ذهنی بیماری ہے اس سے نجات پانے کا مطلب یقین اور ایمان محکم سے بهره‌ور هونا ہے۔ لیکن یه بات بھی مسلم ہے که شک ذریعه یقین بن سکتا ہے۔ شک اور ظن میں مبتلا شخص اگر طالب حق هو تو اس کو یقین اور ایمان حاصل هو سکتا ہے۔ اس لئے یه کہنا درست هوگا که ظن اور شک کا درجه علم اور جهل مرکب کے درمیان ہے۔ بعض مسلم دانشور علم و جهل کی یوں تعریف کرتے هیں ”العلم معرفة المعلوم علی ما هو علیه و قالت المعتزلة هو اعتقاد الشئی علی ماهو به مع سکون النفس الیه، و حد الجهل تصور المعلوم علی خلاف ما هو به،،(۱) علم معلوم کو جیسا که وه ہے سمجھنے کا نام ہے اور معتزلة نے کہا ہے که وه اطمینان کے ساتھ اعتقاد ہے کسی شئی کا جیسی که وه ہے اور جهل کسی معلوم شئی جیسی که وه ہے اس کے خلاف تصور کا نام ہے۔ اس سے معلوم هوا که ظن یا شک نه تو پورا علم ہے اور نه جهل مرکب کا درجه رکھتا ہے بلکه ان کے درمیان میں ہے۔

---

(۱) اللمع فی أصول الفقه ص ۱۶ تالیف ابی اسحاق ابراهیم الشیرازی

اسلام نے کافروں کو شک اور گمان میں مبتلا ہونے کا احساس دلایا ہے۔ کبھی تو ان سے کہا کہ ان کے معتقدات علم و یقین پر مبنی نہیں بلکہ صرف تقلید اسلاف کا نتیجہ ہیں، جیسا کہ قرآن کریم ان ضعیف الاعتقاد کم عقل کفار کا حال بیان کرتا ہے جنھوں نے کہا ''حسبنا ما وجدنا علیه آبائنا،، ہمارے لئے وہ کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ قرآن نے ان کے اس ناپختہ اعتقاد کی کمزوری کو یوں عیاں کیا ''او لو کان آباؤھم لایعقلون شیئا ولا یھتدون،، کیا یہ تب بھی ایسا کریں گے جب کہ ان کے اسلاف نا سمجھ اور بے راہ ہوں۔ مطلب یہ ہوا کہ اسلاف کی تقلید پر عقائد کی تعمیر ظن کا اتباع ہے، اور یہ حق تک رسائی کے لئے کارآمد طریقہ نہیں۔ چنانچہ قرآن نے ایک دوسرے موقعہ پر ان کے ضعف ایمان اور نقصان عقیدہ کو یوں واضح کیا ''وما یتبع اکثرھم الا ظنا ان الظن لا یغنی من الحق شیئا،، ان میں سے اکثر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ حق تک رسائی کے لئے کافی نہیں۔ اور اسی وجہ سے خدا نے بے یقین لوگوں کے اتباع سے منع کیا ہے۔ حضرت موسی و ہارون کو اس بارے میں خدا نے یہ ہدایت کی ''ولا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون،، تم دونوں بے علموں کی راہ پر نہ چلنا۔ یہ اس لئے کہ جاہلوں کا راستہ سراسر اندھیرا ہے جب کہ علم و ایمان قرآن کی نظر میں نور و ہدایت ہے۔ اسی وجہ سے قرآن کو نور اور روشنی سے تعبیر کیا گیا ہے ''لقد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین،، یقینا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کھلی کتاب آچکی ہے۔ چونکہ نور قرآن سے ظلمت شک و تردد کا ازالہ ہوتا ہے، جو کہ انسان کے امراض مہلکہ میں سے ہے، اس لئے اللہ نے اس کے لئے لفظ شفاء بھی استعمال کیا ہے ''و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃللمؤمنین،، اور اتارتے ہیں ہم قرآن سے وہ جو کہ شفاء اور رحمت ہے یقین والوں کے لئے۔ پھر دوسرے موقع پر اس کے شفا ہونے کی حیثیت یوں بیان کی ''شفاء لما فی الصدور و ھدی و رحمۃ لقوم یؤمنون،، شفا ہے ان بیماریوں

کے لئے جو کہ سینوں میں ھیں اور ھدایت اور رحمت ھے یقین والوں کے لئے۔ مطلب یہ ھوا کہ یقین جو کہ شک، تردد، عدم اعتماد، بے چینی اور قلق دائم سے نجات دیتا ھے اور ان تمام امراض کے لئے کامل ترین علاج ھے اس کے حصول کا ذریعہ قرآن کے کھلے دلائل اور واضح ھدایت سے رھنمائی ھے۔ قرآن چونکہ نور ھدایت ھے تو ان امراض کے لئے شفاء ھے بلکہ دائمی حیات اور پائیدار حقیقی زندگی اس کی تعلیمات سے حاصل کی جاسکتی ھے۔ اس لئے کہ بے یقین، متردد انسان اسلام کی نظر میں بیمار ھی نہیں بلکہ حقیقی معنوں میں مردہ ھے۔ روح حیات قرآن اور اسلامی تعلیمات سے حاصل کی جاتی ھے جو کہ فطری زندگی کا نگہبان اور انسانی قوتوں کی سلامتی کا ضامن ھے۔ پس جو شخص جتنا ھی اس کے قریب ھوتا جائے گا اتنا ھی اس کے اندر روح حیات سرایت کرتی جائے گی اور جتنا ھی اس سے دور ھوتا جائے گا اتنا ھی بیماری میں مبتلا ھوکر موت کے قریب ھوتا جائے گا، اس کے انسانی قوی بتدریج معطل ھوتے جائیں گے، حتی کہ جمادات کی مانند ھوجائے گا۔ اسی لئے تو قرآن کبھی کافروں اور تردد اور شک کی زندگی گذارنے والوں کے متعلق یوں ارشاد فرماتا ھے ''صم بکم عمی،، یہ لوگ بہرے گونگے اندھے ھیں، یعنی ان کے یہ حواس قائم نہیں اور اپنے کام انجام دینے سے عاجز ھیں۔ پھر اگر کسی کو ان کے ان حواس کی ظاھری سلامتی کو دیکھ کر شبہ ھوتا ھے تو قرآن اس کا ازالہ اپنے بلیغ انداز میں یوں کرتا ھے ''انھا لا تعمی الابصار و لکن تعمی القلوب التی فی الصدور،، بے شک آنکھیں اندھی نہیں ھوتیں بلکہ وہ دل اندھے ھوجاتے ھیں جو کہ سینوں میں ھوتے ھیں۔ انسانی بصیرت جب جاتی رھتی ھے تو انسان حیوان کے درجے سے بھی نیچے گرجاتا ھے یہاں تک کہ بے حس جمادات کی مانند ھوجاتا ھے ''کانھم خشب مسندۃ،، گویا کہ یہ منافق ٹیک لگا کر کھڑی کی گئی لکڑی ھیں۔ یعنی وہ بے حس بے جان مردوں کی مانند ھیں اور ان کو زندگی بخشنے کے لئے اسلام کی دعوت دی جاتی ھے۔

''استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم لما یحیکم،، جب اللہ اور اس کا رسول تم کو اس بات کی طرف دعوت دے جس سے تمھیں زندگی حاصل ھوتی ھے تو تم اس کو قبول کرلو۔ گویا دعوت اسلام زندگی کی دعوت ھے، اس پر لبیک کہنے سے انسان کو حقیقی زندگی حاصل ھوتی ھے۔ اور جہالت کفر و تردد اور بے یقینی سے انسان کی بصیرت، ذوق اور فراست باقی نہیں رھتی، وہ جہل کے اندھیروں میں رہ کر صرف اپنی حیوانی خواھشات کی پوجا کرتا ھے۔ بھلا ایسا شخص اس زندہ دل صاحب اطمینان و یقین کے ساتھ کب برابر ھو سکتا ھے جس کو دعوت اسلام کی بدولت زندگی نصیب ھوئی ھو ''او من کان میتا فاحییناہ و جعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمات لیس بخارج منہا،، کیا وہ شخص جو کہ مردہ تھا پھر ھم نے اس کو زندہ کیا اور اس کی رھنمائی کے لئے روشنی کردی جس سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ھے کیا ایسا آدمی اس جیسا ھو سکتا ھے جو کہ اندھیروں میں ھے اس سے نکلنے والا نہیں۔ اس کا مطلب یہ ھوا کہ ایمان و یقین زندگی اور اس کی روشنی ھے۔ اس سے محروم مردہ اور جہل کے اندھیروں میں ھے، وہ اپنی خواھشات کو اپنا خدا بنانے کی وجہ سے ایک ایسی ذھنی بیماری میں مبتلا ھے جس کا انجام ھلاکت ھے۔ لیکن اس کے بالمقابل وہ لوگ جن کے دل و دماغ علم و یقین اور نور قرآن سے منور ھیں ان کے لئے ابدی زندگی ھے۔ وہ ظاھری موت سے مرتے نہیں ''ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء و لکن لا تشعرون،،۔ جو لوگ راہ خدا میں قتل کئے جاتے ھیں ان کو مردہ نہ کہو بلکہ یہ لوگ زندہ ھیں لیکن تم کو اس کا شعور نہیں۔ دوسرے مقام پر ارشاد ھوتا ھے ''بل احیاء عند ربھم یرزقون،، بلکہ یہ لوگ اللہ کے ھاں زندہ ھیں ان کو رزق دیا جاتا ھے۔ اس سے ظاھر ھوا کہ زندگی اور ذھنی بصیرت کی روشنی جو انسان کو فطری طور پر عطا کی جاتی ھے اس کی حفاظت و بقاء کے لئے یقین و ایمان درکار ھے۔ ایمان کے نہ رھنے سے انسان مردوں میں مل جاتا ھے

اور اس پر ہر طرف سے تاریکی چھا جاتی ہے۔ ”و من لم یجعل اللہ له نورا فما له من نور“، جس کو اللہ نے روشنی نہیں دی اس کے لئے کوئی روشنی نہیں۔ اور نور خدا سے منور ہونے کی راہ دین اسلام ہے۔

عقیدہ اور عمل

سطور بالا سے یہ واضح ہوا کہ ایمان و یقین زندگی اور اس کی روشنی ہے۔ لیکن وہ عقیدہ جو کہ انسان کو اس کے مطابق عمل کرنے پر آمادہ نہ کرسکے وہ قابل اعتبار نہیں۔ اس لئے کہ وہ خود اپنے ضعف کی نشاندھی کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسلام سقراط کے اس قول کی تائید کرتا ہے کہ علم حق عمل حق پر ضرور آمادہ کرتا ہے۔ لیکن علم و عمل میں تلازم اور عقیدہ اور عمل کا توافق اسلام کا مقصود ہے۔ انسان کو چاھئے کہ دونوں میں یگانگت پیدا کرے۔ کہیں افتراق ہوجائے تو اس کو انسانی کمزوری پر محمول کیا جاسکتا ہے، اس کا درجہ نفاق اور کفر نہیں۔ عام سنجیدہ مسلم مفکرین کی یہی رائے ہے۔ مرجئہ اور جھمیہ کا اختلاف کوئی خاص وزن نہیں رکھتا اس لئے کہ ان میں علم و عمل کے افتراق کا رجحان اجنبی فلسفہ سے تاثر کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔ قیین کے ایک گروہ کا سرخیل ہیرلوس (Herrlus) یہ کہا کرتا تھا کہ صرف علم و معرفت ھی اعلی مقصد حیات ہے اور دوسری طرف ارستون علم و معرفت کی اہمیت کو نہ صرف کم کرتا تھا بلکہ اس کا مذاق اڑایا کرتا تھا۔ اس کے خیال میں الہیات کے میدان میں علم و معرفت کی کوشش بے کار ہے، اس لئے کہ اس تک عقل کی رسائی نہیں ہوسکتی، اور طبعیات میں یہ کوشش بے فائدہ ہے۔ لہذا انسان کو صرف تہذیب اخلاق کی طرف توجہ دینی چاھئے۔ اور یہی اعلی مقصد حیات ہے(۱) لیکن اسلام اگر ایک طرف فکر و نظر کی دعوت دیتا ہے اور ایمان و

---

(۱) ملاحظہ ہو: قصة الفلسفة اليونانية لا حمد امين ص ۲۰۳

یقین کو بہت اہمیت دیتا ہے تو دوسری طرف عمل صالح اور اچھے کردار کو اس کا لازمی نتیجہ قرار دیتا ہے، جس کے بغیر ایمان ناقص رہ جاتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسلام کی نظر میں اعلیٰ مقصد حیات یقین و عمل یا علم و عمل میں توافق ہے جسے حکمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے : و من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا،، جس کو حکمت دی گئی اس کو بہت بڑی دولت ملی۔ حکمت عربی زبان میں علم و عمل کی پختگی اور کمال کو کہا جاتا ہے۔(۱)

قرآن کریم کے مطالعہ سے یہ بالکل عیاں ہے کہ اسلام ایمان اور عمل صالح کو برگزیدہ انسان کی فضیلت قرار دیتا ہے۔ ایسا ایمان جو عمل پر آمادہ کرنے سے قاصر ہو یقینا کمزور اور نا پختہ ہے۔ اسی طرح وہ عمل جو کہ کسی عقیدہ اور نظریہ کے تحت نہ ہو اس میں کمال اور استحکام نہیں آسکتا جو کہ قرآن کا مطلوب ہے۔ احسان جوکہ ایمان کے بعد راہ اسلام پر دوسرا قدم ہے اس کے متعلق رسول اکرم کا یہ ارشاد ہے ''ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک،، اللہ کی عبادت یوں کرنا کہ گویا تم اس کو دیکھتے ہو اور اگر ایسا نہیں تو یہ ذہن میں ہو کہ وہ تم کو دیکھتا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ احسان ایمان و عمل کی پختگی سے حاصل ہوگا۔ جو عمل حضور الٰہی کے عقیدے کے ساتھ کیا جائے وہ یقیناً حامل کمال ہوگا۔ پھر قرآن جس طرح ایمان و یقین حاصل کرنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح عمل کی بھی تلقین کرتا ہے۔ (و قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ) کہہ دیجئے کہ عمل کرو اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا۔ یعنی انسان کی قدر و منزلت اللہ کے ہاں اس کے عمل سے متعین ہوگی۔ اس سے عیاں ہے کہ عمل کو ایمان سے جدا کرنا خود کو دھوکا دینے کے مترادف ہے۔ ایمان کی قوت و ضعف کا اندازہ انسان کے اعمال سے ہی لگایا جاسکتا ہے۔ خود ایمان و یقین ایک عمل ہے جو کہ عقلی اور روحانی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ جو شخص عمل سے قاصر ہے وہ تقلید و محاکات کی زندگی گذارتا ہے اور وہ قرآن کی دعوت فکر و نظر کو قبول کرنے سے رو گردانی کرتا ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو اصول بزدوی ص ۴